ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اُردو غزل اور نظم کے نمایاں امتیازات

PROMINENT DIFFERENCES OF URDU GHAZAL AND POEM

ڈاکٹر محمد شفیق آصف

صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف میانوالی

محمد عمیر آصف

ایم فل اسکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا

ڈاکٹر خالد اقبال

اسٹیشن ڈائریکٹر، ریڈیو پاکستان بہاول پور

Abstract

Urdu Ghazal and Poem are two main genres of poetry. No theme in Ghazal is described continuously. Thought and theme is actually expanded in Poem. Ghazal and Poem were created in different areas. So, their creative temperament is also different. Ghazal is the creation of East and the Poem is the creative expression of the West. Therefore, difference of the temperament of both genres will be seen in this reference. Poem is a complete unit of poetry compared to the Ghazal in which the person's feelings are extensively expanded and presented. In this study, the difference of both the genres is being conveyed.

غزل اور نظم اُردو شاعری کی دو معتبر ترین اصناف ہیں، اگر اِن دونوں اصنافِ سُخن کے نمایاں امتیازات کا جائزہ لیں تو یہ بات خاص طور پر عیاں ہوتی ہے کہ ”غزل میں جیسا کہ معلوم ہے کوئی خاص مضمون مسلسل بیان نہیں کیا جاتا، بلکہ جُدا جُدا خیالات الگ الگ بیتوں میں ادا کیے جاتے ہیں(1) گویا غزل کا ہر شعر ایک الگ اکائی کی حیثیت رکھتا ہے، کسی غزل میں جس قدر اشعار موجود ہوں گے اُسی نسبت سے اُس کے مضامین میں بھی انفرادیت اور یکتائی پائی جائے گی، اِس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

غزل اور نظم شاعری کے زمرے میں شامل ہونے کے باوصف ایک دوسری سے مزاجاً مختلف ہیں اور اِن کے فرق کو واضح کرنا بلکہ سدا ملحوظ رکھنا شاعری کے فروغ کے لیے از بس ضروری ہے۔(2)

اُردو غزل اور نظم کے نمایاں ترین امتیازات میں سے غزل کا اولین فرق اِس کی ریزہ خیالی ہے، کیونکہ غزل کے ہر شعر میں الگ مضمون باندھا جاتا ہے جب کہ غزل کے مقابلے میں نظم میں خیال کی یکجائی موجود ہوتی ہے گویا غزل میں بہت سے خیالات اور افکار الگ الگ شعروں کی صورت میں جمع ہو جاتے ہیں، مولانا الطاف حسین حالی کے خیال میں:

غزل کے اشعار ہر شخص کو یاد ہو سکتے ہیں کوئی کلام یاد نہیں ہو سکتا کیونکہ اِس میں ہر مضمون دو مصرعوں پر ختم اور سلسلۂ بیاں منقطع ہو جاتا ہے۔(3)

غزل کے مقابلے میں نظم میں خیال کی وسعت پورے پر محیط ہے، غزل اور نظم دو الگ الگ خطّوں میں پیدا ہوئیں لہٰذا اِن کا تخلیقی مزاج بھی ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہے۔

بعض لوگ غزل اور نظم کے فرق کو تسلیم نہیں کرتے اُن کا مؤقف یہ ہے کہ اِن دونوں اصنافِ شعر میں ”شعریت“ ایک قدرے مشترک کے طور پر موجود ہے اور ”شعریت“ کو ٹکڑوں اور قاشوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔(4)

شعریت کے حوالے سے دیکھا جائے تو اُردو کی بہت سی دوسری اصنافِ سخن میں بھی شعریت اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ موجود ہے لیکن وہ اصنافِ شعر غزل ہر گز نہیں بن سکیں، تاہم اسی طرح نظم و غزل کی شعریت اُن کے الگ وجود کو یکسر ختم کرنے سے قاصر ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

نظم میں جو ایک خاصی فرد کے دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے اور عمومیت کی بجائے انفرادیت کے شواہد ملتے ہیں یہ سب کچھ زندگی کے باب میں اُس نقطۂ نظر کے اثرات ہیں جو مغرب پر از منۂ قدیم سے مسلط رہا ہے گویا نظم بحیثیت مجموعی شخصی تاثرات کی نقاب کشائی کرتی ہے،اِس کے برعکس غزل کے دائرہ عمل میں داخل ہوتے ہی شخصی تصورات عمومی کیفیات میں ڈھل جاتے ہیں اور فرد کے تجزیہ کے ہمہ گیر اور اجتماعی پہلو اُبھر کر نمایاں ہو جاتے ہیں یہی غزل کا ممتاز ترین وصف ہے۔(5)

مشرق اور مغرب کا طرزِ حیات اور رہن سہن ایک دوسرے سے کافی مختلف ہے اہلِ مشرق اپنے اِرد گرد کے لوگوں سے بہت زیادہ جُڑے ہوئے ہیں جبکہ مغرب میں ہر فرد شخصی تنہائی کا شکار ہے۔لہٰذا وہ اپنا شخصی کتھارسس نظم میں ذاتی تاثرات کے بیان کی صورت میں کرتا ہے جبکہ "غزل کا بنیادی مزاج کہ وہ کُل سے منقطع ہونے کے باوجود بھی اِس سے منسلک رہتی ہے غزل کے اندر ہونے والی تمام تر تبدیلیوں کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے۔" (6)

نظم فکری اعتبار سے ایک مکمل اکائی ہے نظم کا خیال ابتدا سے آخر تک ایک ہی فکری نظام کے تابع رہتا ہے یعنی جس موضوع کا بیان یا اظہار مقصود ہو وہ بالترتیب ظہور پذیر ہوتا ہے اور آغاز سے اختتام تک اپنا دائرہ عمل مکمل کرتا ہے جبکہ "غزل کی ساخت عمودی طور پر تہہ در تہہ نظر نہیں آتی بلکہ اُفقی طور پر بھی اس کا ہر شعر دوئی کا مظاہرہ کرتا ہے مگر اس طور کے ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک وقفہ یا Gap نمودار ہوتا ہے جسے قاری عبور کرتا ہے وہ اشعار جن میں یہ وقفہ نمودار نہیں ہوتا "بیانیہ" کی صورت اختیار کر کے غزل کے مخصوص مزاج سے الگ ہو جاتے ہیں جس طرح زینے کی دو قدموں کے درمیان ایک خلا ہوتا ہے جسے زینے پہ چڑھنے والا پھلانگتا ہے اسی طرح غزل کے اندر کے خلا کو بھی قاری پھلانگتا ہے۔" (7)

غزل اور نظم کی مندرجہ ذیل صورتوں کو دیکھیں تو مذکورہ بالا رائے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کر
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کر
اِک فرصتِ گناہ ملی، وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے
دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

(فیض احمد فیض)

اُردو غزل کے مقابلے میں جدید اُردو نظم میں موجود فکری نظام کو اِن نظمیہ ٹکڑوں میں دیکھئے:

مجھے حنوط کرو
کہ میں وہ جبر تھا، جس کا کوئی جواب نہ تھا
وہ ظلم، جس کی کوئی حد نہ تھی، حساب نہ تھا
مجھے حنوط کرو
میں وہ چھُری تھی جو ایمان تک اُتر جائے
وہ صرف جسم نہیں، جان تک اُتر جائے
مجھے حنوط کرو

(احمد ندیم قاسمی، "سرمایہ")

غزل اور جدید نظم کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ غزل مشاعروں میں سامعین وحاضرین کو متاثر کرتی ہے اور سامعین کی کثیر تعداد باہمی مل کر غزل کی تاثیر اور ابلاغ سے محظوظ ہوتی ہے، جبکہ نظم کسی بھی قاری کو انفرادی طور پر اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ نظم میں واحد متکلم اور غزل میں جمع متکلم اِسی امتیاز کی ایک اہم ترین کڑی ہے، نظم کی سماعت یا قرآت فرد کو انفرادی طور پر آسودگی فراہم کرتی ہے جبکہ غزل غمِ دوراں کی ترجمان ثابت ہوئی ہے،اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

مشاعرہ میں غزل کی مقبولیت کا اصل باعث یہی ہے کہ غزل قاری کی شخصیت کے سماجی رُخ کو تسکین دیتی ہے اور خود قاری انبوہ کے ساتھ مل کر شعر سے لطف اندوز ہوتا ہے دوسری طرف نظم قاری کی شخصیت کے شخصی رُخ کو متحرک کرتی ہے اور جب شخصی رُخ متحرک ہو جائے تو فرار حاصل کر کے کونوں کھدروں کی تلاش کرنے لگتا ہے۔شاید اسی لیے شعراء نے غزل لکھتے ہوئے جمع متکلم کو عام طور سے اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے جبکہ نظم لکھتے ہوئے وہ زیادہ تر واحد متکلم کے حصار میں ہی مقید رہے ہیں۔(8)

غزل و نظم میں مذکورہ بالا امتیازات کو اِن غزلیہ اشعار اور نظمیہ ٹکڑوں میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

عشق تو ساری عمر کا اک پیشہ نکلا
ہم نے کیا سوچا تھا یارو ، کیا نکلا

(سجاد باقر رضوی)

ہمارے شہر میں ہے وہ گُریز کا عالم
چراغ بھی نہ جلائے چراغ سے کوئی

(شہزاد احمد)

دلِ ناکام کی تن آسانی
خندہ زن ہے میرے ارادوں پر
ورنہ دریائے غم بہے اور میں؟
جانے یونہی رہیں گے اَب کب تک
رینگتے سائے اونگھتی راہیں
چند سہمے ہوئے چہرے اور میں

(قیوم نظر،"بے بسی")

میں سینے میں ناکامیوں کے فسانے چھپائے
ردائے خموشی میں لپٹا ہوا خواب کے شہر میں آ گیا تھا
فسردہ دلی تھی جہاں نغمہ خواں
اور تنہائیاں شوقِ ہستی کی معراج بننے لگیں تھیں
مگر آج بزمِ دل وجاں کی ساری فضا دم بخود ہو گئی ہے
تُو آواز دے کر کہاں کھو گئی ہے

(کرشن ادیب،"آواز")

موضوعی حوالے سے دیکھا جائے تو محبت، غزل اور نظم کا مشترکہ موضوع ہے، تاہم غزل میں محبت کا تجربہ خالصتاً ذاتی نہیں ہے بلکہ اس جذبے کے تحرک میں اجتماعی رومانی رویئے بھی شامل ہوتے ہیں اِس کی نسبت نظم نگار صرف اُس محبت کو نظم کرتا ہے جو صرف اس کا ذاتی تجربہ یا مشاہدہ ہو۔ اگر ہم اُردو شاعری میں غزلیہ سفر کو دیکھیں تو یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ غزل میں محبت اور رومانوی رویئے ایک جیسے انداز میں سفر کرتے ہیں جبکہ نظمیہ پیرائے میں محبت کا اظہار خالصتاً ذاتی انداز میں وقوع پذیر ہوتا ہے غزل اور نظم میں محبت کا یہ اظہار بھی ان دونوں اصناف کے فکری امتیاز کو واضح کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

غزل اور نظم کے فرق کو دو اور سطحوں پر بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اِن میں سے ایک سطح محبت کے موضوع سے متعلق ہے دوسرے ہیئت کے سوال سے! شاعر جب نظم لکھتا ہے تو اپنی محبت کے اُس تجربے کو بیان کرتا ہے جس کی مثال نہ پہلے موجود تھی اور نہ جس کا آئندہ وجود میں آنا قرین قیاس ہے گویا وہ اس لیے یہ محبت اپنی انفرادیت کا فی الفور احساس دلاتی ہے لیکن غزل میں محبت کا تجربہ ایک اجتماعی اور عمومی کیفیت میں ڈھل جاتا ہے یہی غزل کی امتیازی خصوصیت ہے کہ جو شے یا کیفیت اس سے مس ہوتی ہے اپنے ابتدائی اوصاف کو ترک کر کے غزل کے مخصوص رنگ کو اختیار کر لیتی ہے۔(9)

اُردو نظم میں محبت کا تجربہ جس تخلیقی پیرائے میں ڈھلتا ہے اُس کی مختلف شکلیں ملاحظہ کیجئے۔

صبح کی دُھوپ
ڈُھلی شام کا رُوپ
فاختاؤں کی طرح سوچ میں ڈُوبے تالاب
اجنبی شہر کے آکاش
دھندلکوں کی کتاب
پاٹھ شالا میں چہکتے ہوئے معصوم گُلاب
گھر کے آنگن کی مہک
بہتے پانی کی چمک
سات رنگوں کی دھنک
تم کو دیکھا تو نہیں ہے
لیکن!
میری تنہائی میں یہ رنگ برنگے منظر
جو بھی تصویر بناتے ہیں
وہ تم جیسی ہے

(ندا فاضلی، "ایک تصویر")

اُردو کی غزلیہ شاعری میں دوسرے فکری موضوعات کی طرح محبت کے مضامین اپنی الگ شان اور پہچان رکھتے ہیں۔ محبت کا اظہار ہر صنفِ سخن میں الگ الگ انداز سے وقوع پذیر ہوتا ہے تاہم اُردو غزل میں محبت کا بیان مخصوص رنگ میں سامنے آتا ہے اِس کی کچھ مثالیں مندرجہ ذیل غزلیہ اشعار میں دیکھئے:

محبت میں سُود و زیاں کی نہ پوچھ
بہت ہم نے کھویا بہت ہم نے پایا

(ساغر نظامی)

جس کو چاہا اُسے شدت سے چاہا ہے فرازؔ
سلسلہ ٹوٹا نہیں درد کی زنجیر کا
(احمد فراز)

اطہر تم نے عشق کیا تھا کچھ تم ہی کہو کیا حال ہُوا
کوئی نیا احساس ملا یا سب جیسا احوال ہُوا
(اطہر نفیس)

غزل اور نظم میں محبوب کا تصور بھی بہت دلچسپ صورت حال کا آئینہ دار ہے۔ نظم میں محبوب یا محبوبہ شاعر کے انفرادی تجربے کی حامل ہوتی ہے اس سلسلے میں اختر شیرانی کی مثال بہت نمایاں ہے کیونکہ وہ جب "سلمیٰ" کا ذکر کرتا ہے تو وہ محض اختر شیرانی کی محبوبہ ہے، جب غزل کا شاعر کسی بھی عہد کے نمائندہ کردار کو اپنے محبوب کے طور پر بیان کرتا ہے لہٰذا غزل گو شعراء کا محبوب کبھی عطار کا لونڈا ٹھہرتا ہے اور کبھی کوئی طوائف محبوبہ قرار پاتی ہے، غزل نگاروں میں محبوب کے تصور کو ہماری کلاسیکی غزل یا پھر لکھنو کی مخصوص معاشرت میں بخوبی تلاش کیا جاسکتا ہے اِس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

غزل کا محبوب اپنے زمانے کے غزل گو شعراء کی مشترکہ میراث ہے اور اِس میں زمانے کی مقبولِ عام عورت کے خصائص کی جھلک اسی حقیقت کی غمازی کرتی ہے۔ اسی طرح بعد ازاں جب طوائف معاشرے کا مرکز بنی تو غزل کے محبوب میں بھی طوائف کے تمام تر خصائص جمع ہوگئے دراصل غزل کا مزاج اسی بات کا متقاضی رہا ہے کہ محبت کی انفرادی کیفیات عشق کی وسیع تر کیفیات میں بدل جائیں۔(10)

نظم و غزل کے امتیازات میں ردیف و قافیہ کا التزام بھی قابلِ ذکر ہے البتہ غزل میں قافیہ بے حد ضروری ہے جبکہ بعض شعراء غیر مردف غزلیں بھی کہہ رہے ہیں جس سے اس بات کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ ردیف کے بغیر بھی غزل لکھی جاسکتی ہے ہر چند اکثر آزاد نظموں میں بھی ردیف و قافیہ کا التزام ملتا ہے لیکن جدید نظم میں یہ روایت اَب کم ہوتی جارہی ہے، حالیہ اُردو نظم کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ اظہار کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو مسترد کر کے فکر و نظر کے نئے در وا کر رہی ہے۔

فضا میں سکوں ہے
المناک گہرا، گھنا، ایک اک شے کو گھیرے ہوئے ایک اک
شے کو افسردگی سے مسل کر مٹاتا ہوا، بے اماں،
بے محل، نُور سے دُور پھیلی فضا میں سکوں ہے
اُجالے کی ہر اک کرن جیسے ٹھٹکی ہوئی ہے
اندھیرے سے بڑھ کر اندھیرا ہے
(میراجی، "تنہائی")

مولانا الطاف حسین حالی کے بقول:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اگرچہ قافیہ بھی وزن کی طرح شعر کا حسن بڑھادیتا ہے جس سے کہ اُس کا سننا کانوں کو نہایت خوشگوار معلوم ہوتا ہے اور اِس کے پڑھنے سے زبان زیادہ لذت پاتی ہے مگر قافیہ اور خاص کر ایسا جیسا کہ شعراء عجم نے اِس کو نہایت سخت قیدوں سے جار بند کر دیا ہے اور پھر اِس پر ردیف اضافہ فرمائی ہے۔ شاعری کو بلاشبہ اِس کے فرائض ادا کرنے سے باز رکھتی ہے۔(11)

جبکہ ڈاکٹر مسعود حسین خان کہتے ہیں:

غزل میں ردیف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حالیؔ کی ناپسندیدگی کے باوجود جدید شاعری میں بہت کم اچھی غزلیں غیر مردّف ملتی ہیں۔(12)

کلاسیکی عہد تک نظم اور غزل میں ردیف و قافیہ یکساں طور پر استعمال ہوا مگر اَب جدید نظم اِس سے بہت حد تک رہائی پا چکی ہے۔ اُردو غزل اور نظم میں تراکیب و اصلاحات کا استعمال بھی بحث طلب ہے، کیونکہ جس قدر تراکیب اور اصلاحیں اُردو غزل سے وابستہ ہیں اُن کا بہت کم حصہ اُردو نظم کا حصہ بنا، تاہم جوش ملیح آبادی اور فیض احمد فیض جیسے نظم نگاروں کے ہاں تراکیب اور اصطلاحات کا ایک اپنا نظام موجود ہے، لیکن وہ تمام تراکیب اور اصلاحیں کلاسیکی غزل کی تراکیب سے کافی مختلف ہیں۔ جوش ان تراکیب کے ذریعے اپنی نظموں میں ایک رنگ و آہنگ پیدا کرتے ہیں جبکہ اُن کے مقابلے میں فیض احمد فیض کے ہاں یہ تراکیب و اصطلاحات ایک الگ فکری نظام سے جُڑی ہوئی ہیں، فیض چونکہ ایک ترقی پسند شاعر ہے لہٰذا اُن کی نظموں میں استعمال ہونے والی تراکیب اور استعاراتی نظام ایک مخصوص پس منظر رکھتا ہے اس ضمن میں طوق و دار، قندیل غم، جمالِ لب ور خسار، شیشہ و جام، زندانِ رہِ یار، شورشِ فغاں اور فقیہانِ حرم جیسی تراکیب قابلِ ذکر ہیں۔

شعری ادب میں کسی بھی فن پارے کی تفہیم و تشریح کے لیے اُس کے تمام امتیازی عناصر کو پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ عناصر کسی بھی فن پارے کے خدوخال کو اُجاگر کرنے اور سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، نظم اور غزل کے امتیازی اوصاف میں سے اِن دونوں شعری اصناف کے اسالیب اور موضوعات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اُردو غزل اور نظم کی صنفی اور موضوعاتی پہچان میں اِن دونوں اصناف میں موجود تصورات، تلازمات اور استعارات کا کردار و استعمال بھی اِن اصناف کے بنیادی امتیازات کو ظاہر کرتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ لکھتے ہیں:

فارسی ادب میں ایک اصطلاح عاطفہ ہے، اِس میں پانچ عناصر مل کر کسی متن کی تفہیم کو آسان کرتے ہیں: (۱) جذبہ (۲) تخیل (۳) اُسلوب (۴) معانی (۵) لہجہ۔(13)

غزل اور نظم کے اسالیب میں اِن عناصر کو تلاش کرنے سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اِن دونوں اصناف کے متون کے معنی و مفہوم کیا ہیں؟ لہٰذا قاضی افضال حسین کا یہ قول کہ ''متن کی تشریح اور تفہیم ایک دائروی عمل ہے''(14) بہت اہمیت کا حامل ہے کسی بھی تخلیق کے امتیازی معانی اور لب و لہجے کی تفہیم کے سلسلے میں J.A Cuddon لکھتے ہیں:

The emphasis of stress (q.v) placed on a syllable, especially in a line of verse. It is a matter of vocal emphasis. Where the accent comes will depend how the reader whishes to render the sense. (15)

ادب میں لب و لہجے اور اُسلوب کی طرح کوئی بھی شعری صنف اپنے علامتی نظام سے بھی پہچانی جاتی ہے، اُردو شاعری میں غزل اور نظم میں استعمال ہونے والی علائم اُن کی انفرادیت اور امتیازی حیثیت کو واضح کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، اس سلسلے میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ن۔ م راشد، میرا جی، مجید امجد کے لفظیاتی اور علامتی نظام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ''اس میں کوئی کلام نہیں کہ فیض نے روایتی علائم اور الفاظ کو نئے معنی عطا کیے ہیں، وہ علائم جو اُردو شاعری کے مرکزی ساختیے تھے اور جن کی بنا پر اُردو نظم عموماً اور غزل خصوصاً سراپا اعزاز گردانی جاتی تھی۔'' (16)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اپنے مضمون ''فیض کا جمالیاتی احساس اور معنیاتی نظام'' میں اِن علائم کو یوں بیان کرتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

۱۔عاشق (مجاہد، انقلابی)، معشوق (وطن، عوام) رقیب (سامراج، سرمایہ داری)

۲۔عشق (انقلابی ولولہ، جذبۂ حریت)، وصل (انقلاب، آزادی حریت، سماجی تبدیلی)، ہجر، فراق (جبر، استحصال کی حالت یا انقلاب سے دوری)

۳۔رند (مجاہد، انقلابی، باغی)، شراب، میخانہ، پیالہ، ساقی (سماجی عمل اور بیداری کے ذرائع) محتسب، شیخ (سامراجی نظام، سرمایہ دارانہ ریاست، عوام دشمن حکومت)

۴۔جنوں (سماجی انصاف، انقلاب کی خواہش، تڑپ)، حسن، حق (سماجی انصاف، انقلاب، سماجی سچائی)، عقل (مصلحت کوشی، منفعت اندیشی، جابر نظام، دفتر شاہی یا عسکری نظام سے سمجھوتہ بازی) (17)

مذکورہ بالا علائم اپنے اندر گہری معنویت رکھتی ہیں یہ تمام علائم اُردو شاعری کے ترقی پسند شعراء کی غزلوں اور نظموں کا حصہ ہیں اہم ایسی علائم کا خوبصورت استعمال صرف اُردو غزل کا امتیازی اشاریہ ہے اس ضمن میں فیض احمد فیض کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

مقام ، فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کُوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

کون قاتل بچا ہے شہر میں فیض
جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی

(فیض احمد فیض)

اُردو غزل کی طرح نظم کا امتیازی رنگ اور علائم کا سلسلہ فیض کی نظم کے اِس ٹکڑے میں دیکھئے:

قتل گاہوں سے چُن کر ہمارے علم
اور نکلیں گے عشاق کے قافلے
جن کی راہِ طلب سے ہمارے قدم
مختصر کر چلے درد کے فاصلے
کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم
جاں گنوا کر تری دلبری کا بھرم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

("ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے"، منٹگمری جیل، 15 مئی، 1945ء)

اُردو غزل اور نظم کے امتیازات کے سلسلے میں اُردو شعری اصناف کا ہیئتی نظام اُن کی بنیادی پہچان کا باعث ہوتا ہے لہٰذا غزل اور نظم کی امتیازی خصوصیات میں اِن دونوں اصنف کی ہیئتی اشکال بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، غزل کی ہیئت ابتدا ہی سے یکتائی کی حامل ہے، اِن میں بحور، ردیف اور قافیے کی تبدیلی کے علاوہ اس کا ہیئتی وجود ابھی تک اپنی شکل میں موجود ہے ہر چند غزل میں آزاد غزل، مکالماتی غزل، غزل مسلسل اور نثری غزل جیسے تجربات بھی ہوئے مگر اِن کا تسلسل قائم نہ رہ سکا جبکہ غزل کے مقابلے میں اُردو نظم کی بہت سی ہیئتیں ہیں جو اپنے انفرادی نام اور پہچان کے باوجود نظم کے زمرے میں آتی ہیں اِن نظمیہ اصناف میں قصیدہ، مثنوی، نظم معریٰ، نظم آزاد،

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

مرثیہ، رباعی، قطعہ، بارہ ماسہ، واسوخت، شہر آشوب، ریختی، ہجو، پیروڈی، گیت، منظوم ڈراما، سانیٹ، دوہا، تضمین، ہائیکو، ماہیا اور نثری نظم شامل ہیں۔ اِن تمام نظمیہ اصناف اور اُردو غزل کے ہیئتی عناصر نظم اور غزل کے بنیادی امتیازات کو واضح کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اُردو شاعری میں سانیٹ ایک ایسی صنفِ سخن ہے جن کے عناصر اُردو غزل اور نظم میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ سانیٹ کا آغاز اطالوی شعراء نے غنائی شاعری کے طور پر کیا سانیٹ چودہ مصرعوں کی نظم ہے جس کا خیال دو حصوں میں پیش کیا جاتا ہے، اُردو میں سانیٹ لکھنے کا آغاز عظمت اللہ خان، اختر شیرانی اور ن۔ م راشد نے کیا۔ ڈاکٹر عزیز تمنائی لکھتے ہیں:

اُردو زبان میں سانیٹ ایک پل ہے جو غزل اور نظم کے درمیان خلیج کو پاٹتا ہے اِس میں غزل کی اشاریت، اِس کا رچاؤ، اس کی گہرائی، اس کی پہنائی بھی موجود ہے اور نظم کا تسلسل، اِس کی ہم آہنگی، اِس کا داخلی خارجی تناسب، اس کا محاکاتی انداز بھی غزل اور نظم کی تمام اہم خصوصیات کا یہ حسین امتزاج سانیٹ کو ایک انوکھی خوبی اور نرالی کشش عطا کرتا ہے۔(18)

اُردو غزل اور نظم کے امتیازات کے ضمن میں سانیٹ ایک ایسی نظمیہ صنفِ سخن کے طور پر سامنے آتی ہے جس میں غزل کی مانند قافیہ بندی کا التزام پایا جاتا ہے تاہم اِس کا مزاج نظم سے مکمل طور پر مربوط ہے، لہٰذا اِسے نظم کے ذیل میں شمار کریں گے اُردو نظم کی انفرادیت میں سانیٹ جیسی اصنافِ سخن بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں اور یوں غزل اور نظم کی انفرادی شناخت کے نئے نئے در کھلتے ہیں۔ اُردو غزل اور نظم کے حوالے سے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ غزل کی تخلیق جذبے اور کیفیت سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ غزل کا آغاز کسی خاص کیفیت میں جا کر خود بخود وقوع پذیر ہو جاتا ہے جبکہ اِس کے مقابلے میں نظم نگار کسی خیال یا مضمون کو شعوری طور پر اپنے شعری ایقان کا حصہ بناتا ہے، اس اعتبار سے غزل اور نظم کا یہ بنیادی امتیاز ہے کہ غزل اور نظم اپنے وجود اور صورت گری کے اعتبار سے الگ الگ نظر آتی ہیں، غزل کی ہیئت ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے جبکہ نظم کی ہیئتیں اکثر و بیشتر تغیر پذیر رہی ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اِس حوالے سے لکھتے ہیں:

اصل نظم وہی ہے جو ہر بار ایک نئی جہت لے کر بر آمد ہو، پابند نظم میں ہیئت کی جو تبدیلیاں نظر آتی ہیں وہ نظم کی "تجرید" کی طرف شاعر کی پیش قدمی ہی کی غماز ہیں تاہم اِس بات سے انکار مشکل ہے کہ نظم کی ہیئت، آزاد نظم کے رُوپ ہی میں پوری طرح سامنے آتی ہے(19)

اِس ضمن میں ن۔ م راشد کی نظم کی مثال ملاحظہ کیجئے:

صبح کے سینے میں نیزے ٹوٹے
اور ہم رات کی خوشبوؤں سے بوجھل اُٹھے!
جسم کے ساحلِ آشفتہ پر اِک عشق کا مارا ہوا
اِنسان ہے آسودہ، مرے دل میں، سرِ ریگِ تپاں
میں فقط اُس کا قصیدہ خواں ہوں

(ن۔ م راشد، "ہم رات کی خوشبوؤں سے بوجھل اُٹھے")

کسی بھی صنفِ سخن میں اُس کا پیکر بہت اہم خیال کیا جاتا ہے غزل کی صورت گری مختلف اشعار کے ارتباط کی مرہونِ منت ہے جبکہ نظم کا ہیئتی رُوپ ایک مختلف انداز میں ظہور پذیر ہوتا ہے نظم کا ایک ہیئتی امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ کسی خاص ہیئتی وجود کی زیادہ دیر تک پابند نہیں رہ پاتی اور یوں اِن دونوں اصنافِ سخن کا ہیئتی مزاج کافی مختلف اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے لہٰذا ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ کہنا بہت اہم ہے۔

غزل کا پیکر مختلف اشعار سے مل کر مرتب ہوتا ہے گویا غزل کی ہیئت بجاتے خود مشرق کے اس معاشرتی نظام سے مشابہ ہے جس میں فرد آزاد بھی تھا پابہ گل بھی ___ یعنی وہ اپنی جگہ ایک تکمیل یافتہ ہونے کے باوصف سماجی مشین کا ایک پرزہ اور سماج کے وسیع تر نظام کا ایک جذو بھی تھا، یہ فرد معاشرتی "کُل" کے حصار سے ایک لحظہ کے لیے باہر آتا تھا بعینہ جیسے غزل کا شعر غزل کے پیکر سے کٹ کر دوبارہ غزل کے پیکر سے چپک جاتا ہے اس اعتبار سے دیکھئے تو غزل اپنے ماحول کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔(20)

اِس ضمن میں غزل کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

کھُل گئی جب گرہ زمانے کی
پھیل کر قرن بن گیا ہر پل
(عارف عبدالمتین)

غزل اور نظم کے سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جس طرح غزل ہماری کلاسیکی روایات اور عصری محسوسات کو بیان کرتی ہے، اس طرح نظم کے بطون میں اُس کا عہد پنہاں ہوتا ہے، تاہم غزل کے مقابلے میں جدید نظم کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی اس انداز سے نمائندگی کرتی ہے کہ وہ آخر کار اپنے عہد اور حالات وواقعات کا مکمل اشاریہ بن جاتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ الطاف حسین حالی، مولانا، "مقدمہ شعر وشاعری"، خزینہ علم وادب، لاہور، 2001ء، ص101۔
2۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "غزل اور نظم کا بنیادی فرق"، (مضمون)، اُردو شاعری کا فنی ارتقاء، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص158۔
3۔ الطاف حسین حالی، مولانا، "مقدمہ شعر وشاعری"، ص102۔
4۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "غزل اور نظم کا بنیادی فرق"، (مضمون)، اُردو شاعری کا فنی ارتقاء، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص151۔
5۔ ایضاً، ص159۔
6۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "معنی اور تناظر"، مکتبہ نردبان، سرگودھا، دسمبر 1998ء، ص254۔
7۔ ایضاً۔
8۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "غزل اور نظم کا بنیادی فرق"، (مضمون)، اُردو شاعری کا فنی ارتقاء، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص161۔
9۔ ایضاً، ص162۔
10۔ ایضاً
11۔ الطاف حسین حالی، مولانا، "مقدمہ شعر وشاعری"، ص37۔
12۔ مسعود حسین خاں، ڈاکٹر، "غزل کا فن" (مضمون) اُردو شاعری کا فنی ارتقا، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص81۔
13۔ سہیل عباس بلوچ، ڈاکٹر، "اُردو اُسلوبیات کی تشکیل نو"، مطبوعہ "معیار"، شعبہ اُردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، شمارہ2، جولائی-دسمبر 2009ء، ص90۔
14۔ افضال حسین قاضی، "تحریر اساس تنقید"، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2009ء، ص90۔
15. Cuddon, J.A. "The Penjfuin Dictionary of Literary Terms and Literary Theory" (4th Edition), P.5.
16۔ محمد الیاس میراں پوری، "معنویت اور فیض"، مطبوعہ "معیار"، شعبہ اُردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، شمارہ٦، جولائی-دسمبر 2011ء، ص393۔
17۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، "فیض کا جمالیاتی احساس اور معنیاتی نظام"، مشمولہ "ادبیات"، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، شمارہ28، جنوری تا مارچ 2009ء، ص52،51۔
18۔ عزیز تمنائی، ڈاکٹر، "سانیٹ اور اُس کا فن"، (مضمون)، اُردو شاعری کا فنی ارتقاء، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص506۔
19۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "غزل اور نظم کا بنیادی فرق"، (مضمون)، اُردو شاعری کے فنی ارتقاء، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص163۔
20۔ ایضاً، ص164۔